برطانیہ کی ''مناظرانہ'' فضا ــــ مستقبل کیسا ہوگا؟

ا برطانیہ میں ایک محتاط اندازے کے مطابق بیس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ ان میں بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو خود یا اُن کے آباء واجداد دنیائے اسلام کے مختلف خطوں سے تلاش روزگار یا حصول تعلیم کے لیے یہاں آئے، اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ایک محدود سی تعداد اُن مقامی باشندوں کی ہے جنہیں اسلام کے عالمگیر پیغام کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں برطانیہ میں نو وارد مسلمان کھانے کمانے میں مصروف رہے، مگر ایک نسل گزرنے پر نوجوانوں میں اپنی دینی و تہذیبی شناخت کا احساس ابھرا ہے۔ آج برطانوی مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں اس مقصد کے لیے کام کر رہی ہیں، کہ اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے برطانیہ کے تکثیری معاشرے میں مثبت کردار ادا کر سکیں، تاہم مسلمان نوجوانوں کا ایک گروہ نسبتاً زیادہ بلند آہنگ ہے اور یہ گروہ برطانیہ کی سنسنی خیز صحافت کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ اسلام کے بارے میں نہایت سطحی معلومات رکھنے والے اور ''اسلام کے خطرے'' کی گھنٹی بجانے والے صحافی، نوجوان مسلمانوں کے جذبات کی آڑ میں حقیقتاً اپنی ''اسلام ناپسندی'' کا آئے دن اظہار کرتے رہتے ہیں۔

بلند آہنگ، لیکن خاصے مختصر، گروہ ''المہاجرون'' نے لندن کے ٹریفالگر سکوائر میں ایک ریلی کا اہتمام کیا تھا (۱۱ جولائی ۱۹۹۹ء)، عمومی برطانوی پریس نے اسے کس طرح دیکھا، اس کا اندازہ اسلام کے بارے میں موجودہ فضا سے بآسانی کیا جا سکتا ہے، ''کرسچن ہیرلڈ'' نے ریلی کی تصویر کے ساتھ ایک کالم شائع کیا، اور کالم کے لیے عنوان تجویز کیا گیا ہے: ''کیا برطانیہ اسلام کی دعوت

قبول کر لے گا؟'' کالم نگار جناب انتھونی میک رائے لنڈن بائبل کالج سے وابستہ ہیں اور وہاں برطانوی مسلمانوں کے حوالے سے تحقیق و مطالعہ میں مصروف ہیں۔ ذیل میں ''کرسچن ہیرلڈ'' کے مناظرانہ انداز کے کالم کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ کالم نگار ریلی میں خود مباحثے کا ایک حصہ تھے، اس لیے اُن سے غیر جانبدارانہ رپورٹ کی زیادہ توقع نہیں رکھی جاسکتی، تاہم اس کالم سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کے ''محقق'' اور مستقبل کے مشنری کی سوچ کا انداز کیا ہے۔ مدیر]

''المہاجرون'' صرف یہی نہیں چاہتے کہ لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوں، بلکہ وہ برطانیہ کو اسلامی ریاست کی شکل میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ [''المہاجرون'' کے] برطانوی رہنما انجم چودھری پیش گوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ برطانیہ کی غالب اکثریت ایک صدی کے اندر اندر مسلمان ہو جائے گی۔ ''المہاجرون'' عالمی اسلامی ریاست کے قیام کی خاطر دوبارہ خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں جو ۱۹۲۴ء میں ختم کر دی گئی تھی۔ (خلیفہ سنی مسلمانوں کا پوپ سے مماثل اعلیٰ ترین رہنما ہے جس کے ہاتھ میں پاپائیت کے برعکس مذہبی اور سیاسی دونوں اختیارات ہوتے ہیں۔)

ریلی میں [مسلمانوں کے حوالے سے] دوسرے مذاہب اور نظریہ ہائے حیات پر علمی انداز میں تبصرہ کیا گیا، اور پھر ان عقائد و نظریات سے وابستہ افراد کو مباحثے کی دعوت دی گئی۔ مسیحیوں کے لیے ایک حد تک جذباتی طور پر یہ بات اہم تھی کہ عمر بروکس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ برطانیہ کو مسیحی ملک نہ سمجھیں۔ عمر بروکس جمیکا سے تعلق رکھنے والے ایک نومسلم ہیں۔ انہوں نے انکار خدا کے تصور پر مبنی زندگی کا کھوکھلا پن واضح کیا، اور خدا کے وجود کے نتیجے میں ''تخلیق کائنات'' کی دلیل پر کہا کہ انکار خدا عقلاً بھی کائنات کی حقیقت اور زندگی سے تضاد رکھتا ہے۔

ایک دوسرے مقرر محمد جمیل نے مسیحیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ''لوگوں کی زندگیوں

میں خرابی کا باعث ہے۔" انہوں نے زور دے کر کہا کہ مسیحیوں نے عہد نامہ عتیق کی کتاب" استثناء ۱۴: ۱۵ میں خنزیر کے گوشت کے بارے میں حکم کو اپنے طور پر بدل دیا ہے۔" (حقیقتاً یہ آٹھویں آیت ہے، اور ریلی کے پروگرام میں اسے ۱۸ویں آیت لکھا گیا ہے)۔" جب متی (اصلاً پطرس، اعمال ۱۰: ۹) کوٹھے پر دعا کرنے کو چڑھا اور اسے وحی ہوئی کہ تمام چیزیں پاک ہیں۔ مقرر نے سوال کیا کہ ہماری "کتابوں میں کہاں یسوع مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ (یوحنا ۸: ۵۸؟)"

محمد جمیل نے دعویٰ کیا کہ بائبل "عبرانی سے ارامی، یونانی، لاطینی اور پھر انگریزی میں "کنگ جیمز ورژن"، "نیو کنگ جیمز ورژن" اور لندن کی مقامی زبان میں ترجمے ہوتے ہوتے بدل گئی ہے! یہ بیان اہل علم کو حیران کر دے گا کہ بائبل عبرانی اور یونانی سے ترجمہ ہوئی ہے۔ محمد جمیل نے دعویٰ کیا کہ مسیح اور ان کے معاصر فلسطینی یہودی یونانی زبان نہ جانتے تھے۔ محمد جمیل بیت المقدس میں پہلی صدی عیسوی کے یونانی زبان میں لکھے ہوئے یہودی کتبوں کی موجودگی، اور ۱۳۵ عیسوی میں یہودی بغاوت کے رہنما بارکوچبا کے یونانی میں لکھے ہوئے خطوط سے واقف نہیں۔

بدقسمتی سے اس انداز کا گھٹیا مطالعہ و تحقیق مسلمانوں کی مسیحیت مخالف تنقید کا نمونہ ہے۔ ایک مسلمان نے یہ جان کر کہ میں مسیحی ہوں، رومیوں کو بائبل میں تحریف کرنے کا ذمہ دار قرار دیا، لیکن وہ اپنے اس دعوے کے حق میں نہ کوئی تاریخی شہادت پیش کر سکا اور نہ یہ بتا سکا کہ یہ واقعہ کب ہوا؟

ایک سفید فام نومسلم، محمد یوسف (سابق لوک گویا، کیٹ سٹونیز) نے رابرٹ ایزمان کے دعوؤں کو دہرایا (جو اپنی اہمیت کھو چکے ہیں) کہ بحیرہ مردار کے طومار جیمس کے ماننے والوں کی جانب سے پولوس کا جواب تھے (حالانکہ یہ طومار حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے ہیں)، یہ دعویٰ بھی کیا کہ بائبل نقایا کی مجلس میں بدل دی گئی، حالانکہ اس مجلس میں الٰہی کتابیں زیر بحث نہ

تھیں۔

اس موقع پر بھرپور مباحثہ ہوا۔ ایک امریکی مسیحی، جے۔ سمتھ نے قرآن کی تاریخیت کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سوال اٹھایا کہ موجودہ قرآن آٹھویں صدی میں وجود میں آیا، حالانکہ دعویٰ ساتویں صدی کے نزول کا ہے۔ محمد جمیل نے اس موضوع پر مباحثے سے انکار کر دیا، البتہ ''المہاجرون'' کے عالمی رہنما عمر بکری محمد نے قرآن کی ''معجزانہ حیثیت'' پر دلائل دیے۔

اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ سمتھ اور عمر کے درمیان ایک عام مباحثے کا اہتمام کیا جائے گا۔ سمتھ کے تبصرے کے بعد مسلمانوں نے جذباتی انداز میں اللہ اکبر اور مسیحیوں نے ''یسوع مسیح خدا ہے۔'' کے نعرے لگائے۔

بعدازاں جذبات سے بھرپور، تاہم پرامن متعدد مسلم۔ مسیحی حلقے بن گئے۔ مسیحیوں نے مسلمانوں کو کھل کر اپنا لٹریچر دیا۔ ریلی میں موجود ایک ہندو نے کہا کہ اکثر مسلمان ممالک میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی کھلی بحث مسلمانوں کے مرکزی ملک، سعودی عرب میں نہیں ہو سکتی جہاں مسیحیت کے کسی قسم کے اظہار پر پابندی ہے، اور اسلام سے منحرف ہونے والوں کی گردن مار دی جاتی ہے۔

میں نے عمر بکری محمد سے پوچھا کہ کیا اسلامی برطانیہ میں اسلام سے حلقہ مسیحیت میں آنے والے مسیحی اسی طرز کی ریلی کا اہتمام اور بحث کر سکیں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں، وہ کر سکیں گے۔

عمر نے اس پر معذرت کی کہ ان کے بعض ارکان نے ایسٹ لندن میں میرے چرچ کے نوٹس بورڈ پر اپنا پوسٹر لگا دیا تھا۔ انہوں نے ذمہ دار افراد کو تنبیہ کرنے کا وعدہ کیا۔ عمر ''نفاذ شریعت کے حامی'' ابوحمزہ کے ساتھ ہیں، مگر ابوحمزہ کے اس فتویٰ کا ساتھ نہیں دیتے جس میں مصری مسیحیوں کو دھمکی دی گئی ہے۔

یہ سب کچھ حوصلہ افزا تھا لیکن ''المہاجرون'' کے بعض ارکان نے ''پیغام'' نہیں لیا۔ ختم ہونے کے بعد ان کے ایک حامی نے محض مسیحی ہونے کی وجہ سے مجھے عملاً دھمکی دی، تاہم انجمن کے چودھری نے مداخلت کی اور دھمکی دینے والے کو معذرت کرنے پر آمادہ کر لیا۔

''المہاجرون'' کے ایک رکن نے کہا کہ اسلامی قانون کے مطابق اسلام سے منحرف لوگوں کو قتل کر دیا جانا چاہیے۔ ایک دوسرے شخص سے جب سوال کیا گیا کہ ترک خلافت کے زمانے میں ۱۹۱۵ء میں سریانی مسیحیوں اور بیس لاکھ آرمینیوں کی نسل کشی کی گئی تھی، وہ جواب دینے سے بچنا چاہتا تھا۔ آخر اصرار کرنے پر اس نے کہا کہ اگر وہ سب بے گناہ تھے تو یہ غلط اقدام تھا۔ ایک دوسرے فرد نے کہا کہ اگر انہوں نے اسلامی ریاست کو توڑنے کی کوشش کی تھی تو جو کچھ ان کے ساتھ ہوا، وہ اس کے مستحق تھے۔ ایسے رویے کی ''اسلامی جمہوریہ برطانیہ'' میں مسیحی اپنی قسمت کے بارے میں کس طرح مطمئن رہ سکتے ہیں۔

حتیٰ کہ ''اعتدال پسند'' مسلم کونسل آف برٹین نے ابو حمزہ کے فتوے کی مذمت کی ہے اور نہ ۱۹۱۵ء کے قتل و غارت کی۔ بعض مسلمان ملکوں میں مسیحیوں کے ساتھ ہونے والے سلوک پر یہاں مسلمانوں کی خاموشی سے مسلم۔مسیحی تعلقات کو نقصان پہنچا ہے۔ مسلمان جائز طور پر توقع رکھتے ہیں کہ کوسووا، فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی زیادتیوں کی مذمت کی جائے، مگر اچھے بین المذاہب تعلقات کا تقاضا ہے کہ ان ریاستوں کی بھی مذمت کی جائے جہاں مسیحیوں کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں، بالخصوص اگر مسلمان ہم سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ اسلامی برطانیہ سے خوف کی کوئی ضرورت نہیں۔ (کرسچن ہیرلڈ، ۲۴ جولائی ۱۹۹۹ء)

(۳)

[جناب انتھونی میک رائے کے مندرجہ بالا کالم میں جس امریکی [illegible] کا ذکر کیا گیا

ہے۔ وہ بھی اُن کی طرح ''لنڈن بائبل کالج'' سے وابستہ ایک فعال مناظر اور ''اسلام مخالف مقرر'' ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ''ایونجلزم اینڈ مشنز انفارمیشن سروس'' کے ترجمان ورلڈ پلس (World Pulse) نے اُن کے بارے میں ایک کالم شائع کیا تھا، اور ساتھ ہی اُن کا انٹرویو بھی۔ ان کے ''جارحانہ انداز'' کی تفہیم کے لیے کالم کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر]

جے۔ سمتھ مسلمانوں کے درمیان کام کرنے والا آپ کا کوئی عام مشنری نہیں۔ وہ ''آپریشن موبلائزیشن'' کے ''نقطۂ انقلاب پروگرام'' (Turning Point Program) میں مسلمانوں کو حلقہ مسیحیت میں لانے کے خواہش مند مشنریوں کو مسلم۔ مسیحی مناظرے پر لیکچر دیتے ہیں، اور لنڈن بائبل کالج میں ''اسلام'' پڑھاتے ہیں، اور اس کے ساتھ اسلامی تاریخ میں ڈاکٹریٹ کے لیے تحقیق کر رہے ہیں۔

لیکن وہ اپنی تحقیق کو عملی میدان میں ہر اتوار کی سہ پہر کو ہائیڈ پارک۔ لندن کے ''گوشہ مقررین'' (speakers' corner) میں ایک سیڑھی پر کھڑے ہو کر آزماتے ہیں۔ ہائیڈ پارک کا یہ حصہ ہر قسم کی تقریر کی جگہ ہے جہاں فحش ہنسی مذاق کرنے والوں سے لے کر سیاسی کارکن تک اپنا اپنا فن آزماتے ہیں۔

وہاں ۴۵ سالہ سمتھ مسلمانوں کو مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں، اور چیلنج کرنے والوں کے جواب دیتے ہیں۔ برطانوی یونیورسٹیوں میں جانے پہچانے مسلمان مناظرین سے اُن کے باقاعدہ مباحثوں میں سیکڑوں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ سمتھ کے خیال میں ''یہ مباحثے نہ صرف قرآن مجید کے بارے میں تاریخی اعتراضات کرنے کے مثالی مواقع ہیں، بلکہ ہمارے اپنے الہامی صحیفوں کو جو تاریخی تائید سے حاصل ہے، وہ قرآن کو حاصل نہیں۔ اس کے نتیجے میں بائبل پیش کرنے کا موقع ملتا ہے۔''

مباحثہ، بلاشبہ، ایونجلزم کا کوئی عمومی طریقہ نہیں، اور سمتھ پر کافی تنقید کی جاتی ہے۔ رابرٹ ڈوگلس ایک ایسے متخصص ہیں جو زویمر انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈائریکٹر ہیں، اور آج کل ''شکاگو سنٹر فار اربن مشن'' کے سربراہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کے درمیان بائبل کا پیغام عام کرنے کے لیے مشنری تیار کرتے ہیں۔ ڈوگلس نے کہا کہ جے۔ سمتھ کا اندازِ تبشیر ''آسانی سے تلخ کلامی میں بدل سکتا ہے، اور بعض اوقات آپ کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ یہی کچھ مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں۔''

جے۔ سمتھ کا جواب یہ ہے کہ ''مغربی مشنری مسلمانوں میں ایونجلزم کے لیے اپنے خصوصی نقطۂ نظر کے تحت کام کرتے ہیں جس کے مطابق مباحثہ غیر موزوں اور جارحیت پر مبنی ہوتا ہے، مگر اسلامی کلچر میں ایسا نہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ مکالمہ کرتے ہوئے بعض پہلوؤں میں اُن کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے ہم سمجھتے ہیں کہ یسوع مسیح کے اُسوے کی پیروی کر رہے ہیں، مگر اس سے جو پیغام انہیں ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدے کے بارے میں یقین سے محروم ہیں۔ اور اُن کا یہ تاثر اس سوچ میں صحیح بیٹھتا ہے جو اُن کے امام ہمارے بارے میں پیش کرتے رہتے ہیں۔'' سمتھ کی رائے میں ''سچائی ہمارے پاس ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ یہ تنقید کا سامنا کر سکتی ہے--- لیکن ہمارا طریقہ یا پیش کرنے کا انداز مایوس کن طور پر ناقص ہے۔''

''گوشہ مقررین'' میں پولیس لاؤڈ سپیکروں کی اجازت نہیں دیتی، اور عموماً مباحثوں کو بھی روکتی ہے، جو فسادات کا باعث بنتے ہیں (اجازت ملنے پر سمتھ مباحثہ کرتے ہیں، ورنہ وہ پارک میں تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔)

سمتھ نے بتایا کہ ''مباحثے پر رضا مند ہونے سے پہلے ہم اس بات کا یقین کر لیتے ہیں کہ مسلمان مولوی اپنے لوگوں کو کنٹرول کریں گے، اور جب کبھی مباحثہ ہوتا ہے، یہ بہت دلچسپ رہتا ہے۔'' حال ہی میں معروف مسلمان ابوسفیان کے ساتھ اُن کا مباحثہ سننے کے لیے کوئی ساڑھے تین سو افراد تقریباً ایک گھنٹے تک خاموش کھڑے رہے۔ مباحثے کا موضوع تھا: ''کیا خدا کا کوئی بیٹا

ہے؟'' سمتھ نے یہ بتانے کے لیے کہ مسلمان کیوں یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ خداوند انسان بھی بن سکتا ہے،'' پیدائش ۳: ۸-۹'' کا حوالہ دیا۔'' باغ عدن میں خداوند کے چلنے پھرنے اور باتیں کرنے کی یہ آیتیں قرآنی بیان میں موجود نہیں۔'' مباحثوں کے بعد سمتھ ایک ایک کر کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ سمتھ کے بقول'' یہ سوال زیادہ طمانیت بخش ہوتے ہیں۔ جہاں انہیں چبھن ہوتی ہے، ہم وہیں جھلاتے ہیں۔''

سمتھ کے سیمیناروں میں مسلمانوں کی جانب سے اٹھائے گئے سوالوں کا جواب دینے میں مسیحیوں کو مدد ملتی ہے۔ سمتھ نے بتایا کہ'' مسلمان کھلے عام طلبہ و طالبات کو چیلنج کر رہے ہیں اور اپنے سوالوں سے انہیں ذلیل کرتے ہیں، اکثر ان کے عقائد کی بنیادوں پر معترض ہوتے ہیں۔ طلبہ و طالبات کو کوئی مسیحی رہنما دکھائی نہیں دیتا جو اس جارحیت آمیز انداز کے خلاف کھڑا ہو، اس لیے وہ میرے پاس آتے ہیں، نہ صرف اس لیے کہ وہ کیا جواب دیں، بلکہ ان چیلنجوں کا جواب دیا جائے جو اسلام کی طرف سے سامنے آ رہے ہیں۔''

گزشتہ چھ برسوں میں جب سے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ عوامی مباحثے کا سلسلہ شروع کیا ہے، انہیں مسلسل دھمکیاں مل رہی ہیں۔ ان کی کار کا پیچھا کیا گیا، انہیں سیڑھی سے گرا دیا گیا، انہیں داڑھی سے پکڑ کر کھینچا گیا، اور پیٹ پر لاتیں ماری گئیں۔ سمتھ اپنی گفتگو میں مسلمانوں کے طرز عمل سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔'' میری سیڑھی کے قریب چیختے اور مجھ پر آوازیں کستے مسلمان اس بات کا عملاً اظہار کرتے ہیں کہ اسلام کا انحصار دھمکیوں پر ہے۔'' اس کے برعکس مسیحیت کی گواہی'' تشدد یا دھمکیوں پر انحصار نہیں رکھتی۔''

جب یہ پوچھا گیا کہ کیا اس انداز کے مباحثوں کا کوئی نتیجہ بھی انہوں نے دیکھا؟ تو سمتھ نے جواب دیا کہ وہ گنتی کرنے کے لیے میدان میں نہیں۔'' مغرب میں لوگ کامیابی کو فائدے اور مذہب بدلنے والوں کی تعداد سے ناپتے ہیں۔''

جناب سمتھ اس حوالے سے شیریں زبان مسیحیوں کے بھی ناقد ہیں۔ان کے بقول ''بہت سے [پروٹسٹنٹ] مشنری جو مسلمانوں میں کام کا آغاز کرتے ہیں،عموماً وہ ایک متعین وقت تک مسلمان علاقوں میں رہنے کے بعد آگے جنوبی امریکہ میں کیتھولک آبادی میں چلے جاتے ہیں، جہاں ان کے زیر اثر [پروٹسٹنٹ مسیحیوں کی] تعداد بڑھ جاتی ہے،اور اس طرح پیچھے اپنے چرچوں میں ان کے لیے تائید و تعاون بھی۔جو مسلمان معمولی تصادم کے ذرائع سے حلقہ مسیحیت میں داخل کیے جاتے ہیں،وہ بہت حد تک اپنی برادری میں سماجی طور پر جذب ہونے کے قابل نہیں ہوتے اور نہ ان کا کوئی سماجی مقام ہوتا ہے۔اس طرح وہ اپنے لوگوں میں بائبل کا پیغام عام کرنے میں نہایت کمزور لوگ ثابت ہوتے ہیں۔''

سمتھ اکثر اتوار کو موجود رہنے والے اپنے ایک سخت ناقد کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی گفتگو کے دوران میں آوازے کستا ہے اور دو بار سمتھ کو ان کی سیڑھی سے گرا چکا ہے۔''جب میں سیڑھی سے نیچے اتر آتا ہوں تو ہمارے درمیان دلچسپ گفتگو ہوتی ہے۔'' یہ ناقد مسلمان اسلام کے خلاف سمتھ کے دعووں پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہے،تاہم ''وہ میری کمر میں ہاتھ ڈال لیتا ہے اور مجھے بھائی کہتا ہے۔'' اور ایک موقع پر تو وہ سمتھ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ ہاتھا پائی کرنے پر گرفتار بھی ہو گیا۔'' اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک سے زائد بار کہا کہ میں پہلا مسیحی ہوں جو کہتا ہوں، اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ظاہر بات ہے،ہم جانتے ہیں اُن کا یہ کہنا درست نہیں [کہ صرف میں ہی سچا مسیحی ہوں] لیکن شاید میں پہلا مسیحی ہوں جس کا عمل اس کے ایمان کے عین مطابق ہے۔''

ایسے ناقد سمتھ کا ہدف ہیں۔''ہمیں ذہین لوگوں پر توجہ دینا چاہیے، جو مستقبل کی مسلم برادری کے بنانے یا بگاڑنے والے ہیں۔آج کے طالب علم جو کل رہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔مباحثہ کسی فوری تبدیلی مذہب کے لیے بطور حکمت عملی موزوں نہیں،لیکن یہ لازماً ان کے دلوں میں اپنی روایات اور عقائد کے بارے میں شکوک کے بیج بو دیتا ہے۔''

''میں نے دکھا دیا ہے کہ روکھے اور بدزبان ہوئے بغیر ہم مسیحی وہی کچھ دے سکتے ہیں جو دوسروں کے ہاتھوں لیتے ہیں۔ اس کا کیوں اثر نہ ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ اس کے طویل المعیاد اثرات ہوں گے۔ (ورلڈ پلس، ۶ نومبر ۱۹۹۸ء)

متفرق

''کیتھولک یونیورسٹیاں ایمان اور عقل ودانش کے امتزاج سے قائدانہ کردار ادا کرسکتی ہیں۔'' — پوپ

کیتھولک چرچ سے وابستہ جامعات پوری دنیا اور بالخصوص مغربی ممالک میں جدید سماجی اور طبیعی علوم میں تعلیم دے رہی ہیں۔ ۱۶ نومبر ۱۹۹۹ء کو پوپ جان پال دوم نے روم کی لیٹرن یونیورسٹی (Latern University) کا دورہ کیا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ کیتھولک یونیورسٹیاں ایمان اور عقل ودانش کے امتزاج سے دنیائے تعلیم کو بنی نوع انسان کے بارے میں خداوند کے دیے ہوئے تصور کی طرف لانے میں قائدانہ کردار ادا کرسکتی ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ کلیسائی یونیورسٹیاں اس حقیقت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کی نئی بیداری کی داعی ہوں کہ صرف سائنس اور عقل لوگوں کے عمیق ترین سوالات اور خواہشات کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

جناب پوپ نے اختصار کے ساتھ واضح کیا کہ تیسرے ہزارے میں لیٹرن یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کو کیا کرنا ہے۔ ان کی رائے میں شعبہ دینیات کو ''حقیقت خداوندی'' (mystery of God) کے موضوع پر فکری مطالعات کو اس طرح فروغ دینا چاہیے کہ ایمان قوی رہے اور جدید لوگ اسے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ کریں۔ شعبہ فلسفہ کو یہ حقیقت جان لینا چاہیے کہ سماجی